اسلام میں فنِ مصوری کا ارتقاء

(۴)

از سید جمال حسن صاحب شیرازی ایم اے متعلم

پچھلی قسط میں یہ بحث کسی قدر تفصیل کے ساتھ آچکی ہے کہ اسلام میں مصوری کا آغاز کس طرح ہوا اور ساتھ ساتھ یہ بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ غیر مذاہب کے وہ کون سے اثرات تھے جو مل جل کر اسلام پر کچھ اس طرح اثر انداز ہوئے کہ مشرقِ وسطیٰ کے مسلمانوں کے کلچر و روایات میں اس مذموم و مکروہ شے کا آغاز ہوا۔ اب آئیے ہم یہ دیکھیں کہ یہ خارجی اور مشرکانہ اثرات مسلمانوں کے تمدنی دائرہ میں کس طرح بڑھے اور پھیلے اور اسلامی مصوری نے اپنے ارتقائی منازل کیوں کر طے کئے۔ پچھلی قسط میں اس امر کی طرف توجہ دلائی جا چکی ہے کہ اسلام میں مصوری کا جو کچھ ذخیرہ ہے اس کا سرچشمہ دراصل تصویر پرست مانویوں، آتش پرست ساسانیوں، بے دین تاتاریوں، بودھ پرست چینیوں اور اصنام پرست یونانیوں کے کلچر اور روایات تھے۔

اب ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ ابتدا میں سب سے پہلا وہ کون سا مواد تھا جو اسلامی فنِ مصوری کے لئے موضوع بنا۔ فطرت کا یہ قانون ہے کہ ہر شر کے مبادیات غیر اہم اور معمولی ہوتے ہیں اور انسانی نگاہ کو ابتدا میں بڑے سے بڑے شر کے خطرناک نتائج آسانی سے نظر نہیں آتے بلکہ سوائے گہرے غور و فکر کرنیوالے اور عاقبت اندیش اصحاب کے عام لوگوں کی توجہ بھی اس طرف نہیں جاتی۔ عوام عام طور پر اس کے منفعتی و درخشاں پہلوؤں کو دیکھتے ہیں۔ اس ضمن میں شراب خواری اور قمار بازی کی مثال پیش

کی جا سکتی ہے۔ ایک شخص جب پہلے پہل شراب پیتا ہے یا جوا کھیلتا ہے تو وہ ان کے خطرناک نتائج سے کما حقہ واقف نہیں ہوتا اور اگر ہوتا بھی ہے تو وہ واقفیت تیقن کا درجہ نہیں رکھتی ورنہ اگر ان مذموم عادتوں کے تباہ کن نتائج کا پورا پورا نقشہ اس کی آنکھوں کے سامنے ہو اور ان سے پیدا ہونے والے حالات کا اسے یقین ہو تو بہت ممکن ہے اس کے جذبات اور وساوس پر اس کی عقل غالب آئے اور وہ ان کی آلودگی سے اپنا دامن بچانے میں کامیاب ہو جائے۔

مبادی شرور کے اسی قانون قدرت کے تحت اسلامی مصوری کا آغاز بظاہر مفید اور غیر فتنہ انگیز موضوعات سے ہوا۔ یعنی جب نویں صدی عیسوی کے وسط میں ہارون رشید نے یونانی علوم و فنون کی کتابوں کو عربی زبان میں منتقل کرایا تو اس میں علم طب (Medicine.) علم ہیئت (Astronomy) اور علم سکون و حرکت (Mechenism.) وغیرہ کی کتابیں تھیں۔ روایات کے مطابق ان کتابوں میں یونانی اور عبرانی کتب کی طرح بعض اہم مسائل کی توضیحی اور تمثیلی تصویریں بھی شامل کی گئیں۔ مشہور ہے کہ خلفاء عباسیہ خصوصاً ہارون و مامون معاشرتی زندگی میں نزاکت و لطافت اور تکلفات کے بیحد دلدادہ تھے چنانچہ ان کے ذوق کے مطابق یہ تمثیلی تصویریں بھی پوری کوشش کے ساتھ نہایت لطیف اور جاذب بنائی گئیں۔ اس قسم کے مصور مترجموں میں حنین بن اسحٰق جو ایک نسطوری فرقہ کا مسیحی تھا۔ ایسی تصویروں میں خاص مہارت رکھتا تھا لیکن چونکہ موضوع بہت محدود تھا۔ اس لئے اس دور کے مصور اپنی فن کارانہ صلاحیتوں اور خوبیوں کا پورا پورا مظاہرہ نہیں کر سکتے تھے۔ مثلاً وہ میکانک (Mechanism) کی کتابوں کی تشریح میں "مکانکی" کھلونے یا کتب طب کے سلسلہ میں انسانی اشکال و عضار کے ڈھانچہ یا علم ہیئت کے سلسلہ میں افلاک و انجم ستارے و سیارے بناتے تھے ظاہر ہے کہ ان تمام چیزوں میں مصور کے لئے اپنے فن کارانہ کمال و لطافت کا نمونہ پیش کرنے کے لئے کوئی خاص میدان نہیں تھا اور دوسری طرف ان کے مخاطب بھی علمی طبقہ کے محدود افراد تھے کیونکہ

علوم وفنون کی موشگافیاں اور نکتہ سنجیاں عوام کے لئے باعثِ دلچسپی نہیں بن سکتی تھیں۔ اسی لئے رفتہ رفتہ سلاطین وقت کی اعانت اور حوصلہ افزائیوں سے مصوروں نے تصویر کشی کے لئے نئے نئے میدان ڈھونڈھ نکالے۔ یہاں یہ امر ملحوظ رکھنا چاہیے کہ ابتدائی دور میں اسلامی مصوری کا نقشِ اول بظاہر مذہب اور شرع کی رو سے کچھ زیادہ قابلِ اعتراض معلوم نہیں ہوتا لیکن آگے چل کر آپ دیکھیں گے کہ اسی شگوفہ نے جو معصومیت کا نقاب اوڑھے سامنے آیا تھا کیسے کیسے فتنہ انگیز گل کھلائے اور کس طرح احکام کتاب اللہ اور اقوال رسول اللہؐ کی شدید اور صریح خلاف ورزیاں بر روئے کار آئیں اور پھر ان سے بے دینی کے کیسے کیسے خطرناک نتائج مرتب ہوئے۔

اس ابتدائی دور کو عبور کرنے کے بعد اسلامی مصوری ترقی کے دوسرے زینہ پر قدم رکھتی ہے اس دور کے مصور بھی اکثر وبیشتر مسیحی تھے۔ انھوں نے ادبیات کو اپنا جولانگاہ بنایا اور اسی کے قصوں اور افسانوں کو اپنی جنبشِ فن کا تختۂ مشق قرار دیا۔ چنانچہ کلیلہ ودمنہ اور اسی قسم کے دوسرے افسانوں کی کتابوں میں مثالی اور تشریحی تصاویر بنائی جانے لگیں۔ کلیلہ اور دمنہ میں جانوروں کے قصہ میں گیدڑ لومڑی شیر اور دوسرے پالتو اور درندہ جانوروں کے تمام قصوں کی مثالی تصویریں بنا کر کتاب میں شامل کر دی گئیں۔

اس موقعہ پر اس امر کی طرف توجہ دلانا شاید دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ اسلام میں چونکہ ذی روح کی تصویر کشی خصوصاً انسانی شبیہ گری کی سخت ممانعت ہے اس لئے فطرتی طور پر اسلامی مصوری کے ارتقائی مدارج میں ضروری تھا کہ وہ بے جان اور غیر ذی روح سے شروع ہوتی اور پھر آہستہ آہستہ دبے پاؤں مذہب کے ممنوعہ حدود میں داخل ہونے کی جرأت کرتی۔ یہ ملحوظ رہے کہ جانوروں کی تصویر کشی اسلامی مصوری کی دوسری منزل ہے لیکن پھر بھی مسلمان سلاطین کے زیرِ حکم کام کرنے والے مصوروں کے قدم انسانی تصویر کشی کے ممنوع دائرہ میں داخل ہونے سے اجتناب کرتے ہیں اور برخلاف اس کے

ہندو مت، بودھ مت اور جین مت اور اصنام پرست یونانیوں کے یہاں مصوری کی ابتداء ہی انسانی تصویر کشی اور شبیہ گری سے ہوتی ہے، جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ انھوں نے سب سے پہلے اپنے دینی مقتداؤں اور مذہبی پیشواؤں کی تصویر اور شبیہ بطور یادگار کے تیار کی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے مذہب میں اس کے متعلق کوئی خاص ممانعت نہیں تھی اور بالآخر آپ نے دیکھا کہ اس کے نتائج شرک کی لعنت کی شکل میں پیدا ہوئے۔ الغرض اسلامی مصوری کے اس دور میں مقاماتِ حریری اور اسی قسم کی دوسری کتابوں کے قصوں کو فن کاروں نے اپنا تختۂ مشق بنایا۔

اس کے بعد اسلامی مصوری ارتقار کی تیسری منزل میں قدم رکھتی ہے اور اگرچہ اس کے حدود بظاہر دوسری منزل سے کچھ زیادہ آگے نہیں بڑھے لیکن فنی اور موضوعی اعتبار سے اس میں بڑی وسعت اور تنوع پیدا ہوگیا یعنی اس منزل میں مصوروں نے شعر و شاعری کی کتابوں کی طرف رجوع کیا اور شاہنامہ فردوسی اور خمسۂ نظامی کے قصص و واقعات کو اپنا موضوع بنایا۔ اگرچہ مقاماتِ حریری اور شاہنامہ فردوسی کی انسانی تصویر کشی میں کوئی نمایاں فرق نہیں تھا لیکن اتنا ضرور تھا کہ پہلے موضوع کم و بیش خیالی اور افسانوی حیثیت رکھتے تھے اور موجودہ موضوع کے مواد تاریخی کتابوں اور حوادثِ عالم کے واقعات سے ماخوذ تھے۔ اگرچہ اتنا اعتراف کرنا پڑیگا کہ چونکہ کتابیں شعر و شاعری کی دنیا سے تعلق رکھتی تھیں اس لئے تخیل اور مبالغہ کے عناصر ان میں بہرحال موجود تھے اور تخیلی پرواز کی زیادہ سے زیادہ گنجائش بھی تھی۔ بایں ہمہ اس تیسری منزل میں ہمیں صاف نظر آتا ہے کہ ہمارے مصور ایک بڑی حد تک تخیلی اور تصوراتی دنیا سے نکل کر آہستہ آہستہ واقعاتی اور کیفیاتی دنیا تک آرہے ہیں اور جوں جوں اس راہ میں آگے بڑھتے جاتے ہیں کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ سے انحراف کی خلیج وسیع ہوتی چلی جاتی ہے۔

اس سلسلہ میں مسٹر آرنلڈ نے ہماری توجہ ایک دلچسپ اور اہم بات کی طرف منعطف کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ باوجود اس امر کے کہ حافظ شیرازی کے دیوان میں ایسے رنگین تخیلات اور دلکش تصورات موجود ہیں

مصوری کے بہترین فنی نمونوں کے موضوع بن سکتے ہیں کسی مصور نے ان کے دیوان پر اپنا ذوقِ فن صرف نہیں کیا۔ اس دور کے نسخوں میں حافظ شیرازی کا شاید ہی کوئی ایسا نسخہ ہو جس میں مثالی تصویریں موجود ہوں۔ اس کی وجہ "مسٹر آرنلڈ" یہ بتلاتے ہیں کہ مسلمان مصوروں کو ان کی مذہبی شخصیت کا احترام ملحوظ تھا اور وہ اس قسم کی حرکت سے اہلِ تصوف اور ان کے دوسرے معتقدین کے جذبات کو مجروح کرنا نہیں چاہتے تھے۔

اس کے بعد چوتھی منزل موضوعی نوعیت کے اعتبار سے آخری منزل سمجھی جانی چاہئے اس دور میں تاریخ اور جغرافیہ کی کتابیں موضوعِ تصویرکشی بنیں۔ اس وقت کے مسلمانوں کی اکثر تاریخی کتابوں کی یہ خصوصیت ہے کہ ان میں ابتدائے آفرینش سے لیکر مورخ کے عہد تک کے واقعاتِ عالم قلمبند ہیں اور ان کا معتدبہ حصہ قرآن حکیم، انجیلِ مقدس اور توراۃ میں مذکور انبیاء و رسل کے سوانحِ حیات کے لئے وقف کردیا گیا ہے۔ مصوروں نے انہی واقعات کو عکسی تصویر کی شکل میں پیش کیا ہے۔ گویا اس دور کی مقدس اور برگزیدہ ہستیوں کو بھی فن کاروں نے اپنا موضوع بنانا شروع کیا جس کے نمونے آج تک اس عہد کے لکھی کتابوں میں موجود ہیں۔ مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی بت پرست قوم کے واقعات حضرت یوسف علیہ السلام کی گمشدگی اور زلیخائے مصر کے واقعات، حضرت یونس علیہ السلام اور مچھلی کا واقعہ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے معجزات۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کی تاریخِ حیات کے اہم واقعات، ذوالقرنین اور اصحابِ کہف کے قصص اور دنیا کے بڑے بڑے سیاسی اور معاشرتی انقلابات، بادشاہوں کے عروج و زوال اور دیگر مشہور تاریخی واقعات کی مثالی تصویریں بنائی گئی ہیں۔

(نوٹ) مذکورالصدر کتب اور تواریخ کے چند قلمی نسخے یورپ کے مختلف کتب خانوں میں موجود ہیں ان کی مثالی تصویروں سے اس دور کی مصوری کا صحیح صحیح پتہ چلتا ہے مثلاً رشید الدین فضل اللہ

کی جامع التواریخ کا ایک پرانا نسخہ رائل ایشیاٹک سوسائٹی لندن (Royal Asiatic Society) میں موجود ہے اور اسی کتاب کا ایک دوسرا نسخہ (Bibliotheque Nationale) ببلیو تھک نیشنل پیرس میں بھی ہے۔ اس نسخہ کے متعلق مسٹر بلاکٹ (مشہور فرانسیسی نقاد مصوری) کا خیال ہے کہ یہ رشید الدین فضل اللہ کے زمانہ کا نسخہ ہے اور اسی وجہ سے اس کی مثالی تصویریں اس دور کی مستند تصویریں سمجھی جاتی ہیں۔

اسی قسم کی ایک اور کتاب کا قلمی نسخہ انڈیا آفس (India Office) میں بھی ہے۔ اس میں چھ مختلف فارسی شعراء کے دیوان درج ہیں۔ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۳۱۵ء میں طیار ہوا تھا۔ اور بعد کو شاہ اسمٰعیل صفوی کے ہاتھ لگا۔ مقامات حریری کا ایک قیمتی قلمی نسخہ ویانا کے کتب خانے میں موجود ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ۱۳۳۴ء میں تیار ہوا۔ اس کی مثالی تصویروں میں خلفائے عباسیہ کے دور کی خصوصیاتِ مصوری کا رنگ پایا جاتا ہے۔

اس کے بعد رومانی افسانوں اور طبعزاد قصوں کی کتابوں میں بھی تصویریں ملتی ہیں۔ چونکہ ان قصے کہانیوں کی کتابوں میں عشق و محبت کے رنگین واقعات درج تھے اس لئے تصویریں بھی اسی نوعیت کی ہوتی تھیں مثلاً عاشقانہ مناظر، عاشق و معشوق کی ملاقات، بوس و کنار کے واردات، خلوت و جلوت کی محفلیں وغیرہ وغیرہ کا تخیئلی نقشہ ان تصاویر میں پیش کیا گیا ہے۔ لیکن چونکہ یہ چیزیں اسلام کے پیش کردہ اصول کے منافی تھیں اس لئے مذہبی رہنماؤں نے اس کی مخالفت کی۔ اس موقع پر مسٹر آرنلڈ (شاید کسی قدر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے) لکھتے ہیں کہ اسلام کے انھیں علمبرداروں نے اس باب میں فنِ مصوری کو عوام کی حوصلہ افزائی اور سرپرستی سے محروم رکھا اور اسی وجہ سے اس قسم کی تصویریں عام نہیں ہوسکیں اس کے مقابلہ میں مسیحیت اور بودھ مت نے اس شعبہ میں اپنے مصوروں کی سرگوشش کو نہ صرف بہ نظرِ تحسین دیکھا اور اس کی حوصلہ افزائی کی بلکہ مذہبی تائید بھی بہم پہنچائی۔ جس کے ذریعہ یہ پودا بڑی سرعت کے ساتھ پروان چڑھا۔ (پینٹنگ ان اسلام ص ۷۶)

مسلمانوں کی مصوری میں فحاشی اور عریانی

آٹھویں صدی عیسوی سے مسلمانوں میں حمام بنوانے اور اس کو تصویروں سے سجانے کا شوق پایا جاتا ہے۔ یہ تصویریں عام طور پر فحش اور عریاں ہوتی تھیں۔ یہاں اس امر کا اعادہ ضروری ہے کہ مسلمانوں نے اس مقصد کے لئے بھی ابتدا ہی سے غیر مسلموں سے کام لیا۔ اس قسم کے حماموں اور صحنگاہوں میں نہ صرف تصویریں ہی ملتی ہیں بلکہ بعض اوقات مجسمے بھی پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ خلیفہ اموی یزید ثانی نے ۷۲۲ء میں بتوں اور مجسموں کو تباہ کرنے کا عام حکم دیا تو اس میں قصرِ زبان (Zarblban) کے حمام کے بت بھی تباہ کئے گئے۔ اس محل کے اندر حمام کی دیواروں پر تصویریں منقوش تھیں لیکن اتنی بوسیدہ اور خستہ ہو گئی تھیں کہ ماہرینِ آثار قدیمہ کو صحیح تتبع اس کا نہ چل سکا کہ ان کی نوعیت کیا تھی لیکن دیوار کے بعض ٹکڑوں پر رقاصات و مغنیات کی عریاں تصاویر صاف دکھائی دیتی ہیں اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی نوعیت بھی قصرِ عامرہ کی تصویروں سے ملتی جلتی ہوگی۔ اسی قسم کی صحت گاہوں اور حماموں کے سلسلہ میں یہ مشہور ہے کہ مسلمان سلاطین ان میں فحش عریاں اور شہوت انگیز تصاویر بنواتے تھے اور اس سے محظوظ ہوتے تھے یہاں اس امر کی طرف توجہ دلانا خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ خلفائے بنی امیہ اور بنی عباس کے دور تک بلکہ بارہویں صدی عیسوی تک اس قسم کی چیزیں عام نہیں ہوئی تھیں۔ بلکہ خال خال نظر آتی تھیں۔ لیکن تیرہویں صدی عیسوی کے بعد اس قسم کی حمامی تصاویر کثرت سے پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ صفوی دور میں اس کا اچھا خاصہ ذخیرہ جمع ہو گیا۔ مستشرقین یورپ نے اپنی تصانیف میں بڑی خصوصیت کے ساتھ ان فحش تصاویر کا تذکرہ کیا ہے اور بعض اوقات اخلاقی نقطۂ نگاہ سے مسلمانوں پر طنز کے زہر آلود تیر بھی چلائے ہیں اس کی بحث آگے تفصیل کے ساتھ آئے گی۔ سردست آئیے ہم مستشرقین یورپ کی ایسی پیش کردہ مثالوں پر ایک نظر ڈالیں۔

بیان کیا جاتا ہے کہ سلطان محمود کے بیٹے مسعود نے ہرات میں اپنے محل کے باغ میں

ایک شہ نشین (Pavilian) تعمیر کرایا تھا اور اس کی چھت اور دیواروں پر تصویریں بنوائی تھیں جو سنسکرت کی مشہور جنسیاتی کتاب کام شاستر سے ماخوذ تھیں۔ سلطان محمود کو جاسوسوں کے ذریعہ اس کا علم ہو گیا۔ اس نے فوراً مسعود کے پاس ایک قاصد روانہ کیا اور اسے حکم دیا کہ وہ ہرات پہنچ کر اس شہ نشین کا معائنہ کرے اور حالات سے مطلع کرے۔ اس اثنا میں مسعود کے ان خفیہ نویسوں نے جنھیں شاہزادہ نے اپنے باپ کے دربار میں رکھ چھوڑا تھا اس امر کی اطلاع شہزادے کو دے دی اور شاہزادہ نے یہ خبر پاتے ہی ان تمام تصاویر اور نقوش پر استر کرا دیا۔ چنانچہ جب سلطان کا قاصد ہرات پہنچا اور شہ نشین کے دروازے توڑے گئے تو دیواروں پر ایک نقش بھی موجود نہیں تھا۔

ستر ہویں صدی عیسوی سے ہمیں اس قسم کی عریاں تصاویر کی مثالیں زیادہ ملتی ہیں۔ شرف الدین ہارون[1] نے جو خود شاعر تھا اور شعرا کی سرپرستی کیا کرتا تھا اور فنونِ لطیفہ سے بے حد دلچسپی لیتا تھا۔ بغداد میں ایک نہایت عظیم الشان محل تعمیر کرایا۔ اس محل کے حمام میں دس دروازے تھے جو مختلف قسم کے رنگین اور دلکش قیمتی پتھروں سے مزین تھے۔ اس کے اندر پانی کے نل چاندی کے بنے ہوئے تھے جو مختلف چڑیوں کی شکل میں تھے۔ اس میں خوبی یہ رکھی گئی تھی کہ جب پانی باہر نکلتا تھا تو اس نل سے اسی قسم کی آواز پیدا ہوتی تھی جس قسم کی چڑیا او پر بنی ہوئی تھی۔ اس حمام کے اندرونی حصے مقفل رہتے تھے کیونکہ اس میں مباشرت سے متعلق بہت سی تصویریں تھیں (پینٹنگ ان اسلام)

سولھویں صدی عیسوی میں یعنی صفوی بادشاہوں کے دور میں ایسی تصویروں کی اور کثرت ہو گئی۔ شاہ عباس نے سترہویں صدی کے آغاز میں اشرف کے مقام پر موسم گرما گزارنے کے لئے ایک وسیع اور عریض محل تعمیر کرایا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ شاہ عباس کے بیٹوں میں سے ایک نکارہ تھا

---

[1] یہ مغل دور کے مشہور مدبر شمس الدین محمد جوینی کا بیٹا تھا جو متواتر تین مغل حکمرانوں (ہلاکو، اباقا، اور احمد) کے دور میں عہدۂ وزارت پر فائز رہا تھا۔

چنانچہ بادشاہ نے ان عمارتوں میں سے ایک کے متعلق یہ حکم دیا کہ اس میں شہوانی جذبات کو برانگیختہ کرنے والی تصاویر منقش کی جائیں تاکہ ان کے نظارے سے شہزادہ میں رجولیت پیدا ہو۔

۱۶۱۲ء میں اسی قسم کی تصویریں شاہ عباس نے اپنے مشہور محلات "عمارات چشمہ" میں بھی بنوائی تھی سر ولیم اوزلے (Sir William Ousley.) نے دو صدی بعد ان کا معائنہ کیا وہ لکھتے ہیں کہ بہت سی تصویریں مسخ ہو چکی تھیں لیکن کچھ دھندلے نقوش نظر آتے تھے۔ موضوع کے اعتبار سے حیا سوز اور ایرانیوں کے گرے ہوئے مذاق کے مطابق تھیں جیسا کہ ہینوے (Hanway.) نے اسی شہر میں ایک دوسرے محل کی تصویر کو دیکھ کر کہا تھا کہ "ان سے صرف ایک عیاش اور شہوت پرست مسلمان ہی محظوظ ہو سکتا تھا۔" (پینٹنگ اِن اسلام ص ۸۷)

اسی مصنف نے "جہاں نما" کی تعمیرات کا تذکرہ کرتے ہوئے جو شاہ عباس نے فرحاباد میں بنوائی تھیں فحش اور اخلاق سوز تصویروں پر رائے زنی کی ہے۔

لیکن عباس دوئم (۱۶۶۷-۱۶۴۲) اس معاملہ میں اپنے پیش رو کا ہم خیال نہیں تھا۔ علی وردی خاں نے سترہویں صدی عیسوی کے اوائل میں بمقام جلفہ (Julfa.) جو اصفہان کے قریب واقع ہے۔ ایک پل تعمیر کرایا تھا اور اس کی عمارت میں تصویریں بھی بنوائی تھیں۔ انھیں تصویروں کا تذکرہ کرتے ہوئے سر اوزلے اپنے سفرنامہ میں لکھتے ہیں کہ "اس پل کی فصیلوں کے خلا میں چند کوٹھریاں بھی بنی ہوئی تھیں۔ اور ان کی دیواروں پر ناشائستہ اور فحش تصویریں منقوش تھیں۔ عباس دوئم کی پاکیزہ طبع ان تصاویر سے مجروح ہوئی اور انھوں نے حکم دیا کہ اس کے تمام دروازوں میں قفل ڈالدیے جائیں لیکن اگر بادشاہ موصوف عوام کے مذاق کو ان نجاستوں سے محفوظ رکھنا چاہتے تو وہ سرے سے اس فحاشی اور عریانی کے نمونوں کو مٹا ڈالنے کا حکم دیتے۔ تقریباً ایک صدی کے بعد جب کچھ دیواریں گریں اور اندر کے حصے منہدم ہو گئے تو دروازے کھولے گئے۔ اس کے چند کمروں میں دیواروں پر عریاں تصاویر

پائی گئیں جن سے یقیناً دیہاتیوں کی سادگی اور معصومیت پر تخریبی اثر پڑا ہوگا۔ اور انھوں نے یہاں آکر غیر شعوری طور پر فحاشی اور سیاہ کاری کا سبق سیکھا ہوگا۔ ان تصویروں کا حسن طرز اس امر کا متقاضی تھا کہ اسے کسی بہتر موضوع پر صرف کیا جاتا۔ کیونکہ فنی اعتبار سے اس جیسی کشش موجودہ ایرانی مصوروں کی صلاحیت سے بالاتر ہے۔ لیکن اس کے روز بروز مٹتے اور مٹ پڑتے ہوئے رنگ سے ہمیں یہ توقع ہے کہ اب یہ تصویریں زیادہ دنوں تک انسانی جذبہ تنفر کو برانگیختہ اور اس کے تخیل کو ملوث اور آلودہ نہ کریں گی۔ ؎

یہ ہیں تاثرات ایک مغربی فاضل کے جو اس کے دل میں ایک مشرقی تصویر کی عریانی دیکھ کر پیدا ہوئے۔ ہم ان میں سے نہیں ہیں کہ اگر کوئی ہمارے حقیقی عیوب پر حرف گیری کرے تو ہم اس کو تسلیم کرنے کے بجائے اس کے عیوب و نقائص کو پیش کرکے پہلو بچانے کی کوشش کریں۔ ہمیں اس کا پورا پورا اعتراف ہے کہ جو سلاطین اس قسم کی اخلاق سوز اور عفت رُبا حرکتوں کے مرتکب ہوئے وہ اسلام اور انسانیت دونوں کی نگاہ میں سخت مجرم ہیں اور مستحق صد لعنت و ملامت ہیں۔ لیکن کیا سر ولیم اپنے مغربی فن مصوری کے ذخیروں پر ایک نظر ڈال کر ہمیں یہ بتلا سکتے ہیں کہ ان کا دامن اس قسم کی عریانیوں اور فحاشیوں سے پاک ہے۔ جہاں تک ہمارا مطالعہ ہے ان کے یہاں مادر زاد برہنہ تصویر کشی فنی اعتبار سے ایک بلند اور معیاری چیز سمجھی جاتی ہے کیونکہ وہ فطرت کے عین مطابق ہوتی ہے۔ چنانچہ ازمنہ وسطیٰ کے بڑے بڑے فرانسیسی اور اطالوی مصوروں کے ملنے ہوئے شاہکار عریانی اور برہنگی میں اپنے آپ نظیر ہیں۔ اطالوی اسکول جو یونانی (Hallenic) نظریات اور تخیلات سے استفادہ کرتا ہے، اور انھیں کے علوم و فنون سے متاثر ہوا ہے۔ برہنہ تصویر کشی میں ایک عالمگیر شہرت کا مالک ہے۔ اس اسکول کے تقریباً تمام افراد نے یونانی دیوتاؤں، دیویوں اور نوجوان دوشیزاؤں کی ایسی برہنہ

---

(۱) Sir William Ousley's Travels Page 48-49.

اور فحش تصویر کھینچی ہے جسے انسانیت دیکھکر کانپ اٹھے اور عفت بشری اپنا منہ ڈھک لے اطالوی اور فرانسیسی اسکول کے چند ممتاز افراد میں سے (جن کے شاہکاروں میں خصوصیت کے ساتھ عریاں تصویریں شامل ہیں) ذیل کے اصحاب خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔

ٹی زی یووے چی یو (Tiziano vecellio . . .) لیونارڈو داونچی (Leonardo Da-Vinci) مائکل اینجلو (Michaelangelo . .) جارجیون (Giorgione . .) واٹو (Watteau) بانی چیلی (Batticelli) میسچیو (masaccio) کیراچی (Caracci) کیراجیو (Carreggio)۔

کیا مسٹر وزلے نے حاموں کی تصاویر کو دیکھ کر یہ ارنی بے حیائی اور فحاشی پر تبصرہ فرماتے وقت ان تمام قیمتی یورپی ذخیرہ کو طاق نسیان میں رکھدیا تھا۔ ہم سرموصوف کی توجہ ان کی ہم وطنوں اور ہم مذہبوں کی مندرجہ ذیل چند کتابوں کی طرف دلانا چاہتے ہیں جو فنونِ لطیفہ خصوصاً فن مصوری اور فن مجسمہ سازی سے متعلق ہیں۔

1 The Story of Art Through The Ages by S. Reinach

2. Life of Painters, Sculpters And Architects by Wasari (8 Vols.)

3. Ancient Painting by Mary Hamilton Swindler

4 History of Art by Joseph Pijoan (Vols 3.)

5. Art Through The Ages by Helen Gardner.

6. The Bible in Art edited by Clifton Harley

7. The Art Treasures of the Nation by Sir Cecil Harcourt - Smith

8. The Art of Enjoying Art by A. Philips Macmahon

9. Fluctuations of Forms of Art by Pitirim A. Sorokin.

10. Renaissance Art Translated from the French by Walter Pach (3 Vols)

ان کتابوں میں سے کسی ایک کی ورق گردانی کیجئے۔ آپ کو ہر گوشے میں برہنہ اور عریاں تصویریں نظر آئیں گی جن کے دیکھنے سے انسان کے شہوانی جذبات میں ایک تلاطم برپا ہو جائے سراوزلے کو حمام کی تصویروں میں ایرانیوں کا گرا ہوا مذاق نظر آتا ہے لیکن اپنے قومی ذخیرہ میں فنِ مصوری کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد — جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

سراوزلے کے مویدین شاید اس کا یہ جواب دیں کہ ان کی مصوری کے اس ذخیرہ میں حماموں کی طرح مباشرتی آسنوں کی تصویریں تو نہیں ہیں۔ ہم اس سلسلہ میں یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ مسلمان بادشاہوں نے چاہے جو کچھ بھی اخلاق سوز تصویریں بنوائیں۔ اس امر کی ضرور کوشش کی کہ وہ انھیں کی ذات تک محدود رہیں اور عوام کی رسائی ان تک نہ ہو۔ لیکن آج جب سراوزلے کی یورپی اقوام تمدن و تہذیب کی انتہائی بلندی پر پہنچ چکنے کا دعویٰ کر رہی ہیں۔ کیا اس حقیقت پر پردہ ڈال سکتی ہیں کہ ایک نہیں یورپ کے سینکڑوں بڑے بڑے شہروں میں بے شمار کوک شاستری عکسی تصاویر بکتی ہیں اور جنھیں فحش پسند اصحاب بڑے شوق سے خریدتے ہیں اور البم (album) میں سجاتے ہیں ہندوستان میں بھی آج کل بے حیائی کے یہ نمونے پیرس پکچرس (Paris Pictures) کے نام سے بکتے ہیں۔ وجہ تسمیہ کی تشریح یہ ہے کہ سب سے پہلے فحاشی اور عریانی کے یہ نمونے پیرس ہی سے ہندوستان میں آئے۔ چنانچہ ان کا نام ہمارے ملک میں مستقل طور پر یورپ کے اسی عظیم الشان متمدن اور مہذب شہر سے وابستہ ہو گیا۔

اس کے علاوہ آج یورپ اور امریکہ کے تمدن یافتہ علاقوں سے جو صحت اور جسمانی تربیت (Physical Culture.) کے بے شمار رسالے شائع ہوتے ہیں۔ کیا ان کی عریانی اور برہنگی کسی اعتبار سے حمامی تصاویر سے کم ہے۔ لطف تو یہ ہے کہ بداخلاق مسلمان بادشاہوں کے حماموں اور صحت گاہوں کی دیواروں پر تو صرف خیالی اور فرضی تصاویر بنائی جاتی تھیں لیکن ان رسالوں میں مادر زاد برہنہ مردوں اور عورتوں کا عکس (Photo.) پیش کیا جاتا ہے اور اسے تمدنی عروج کا شاندار نمونہ کہکر ہمارے سامنے لایا جاتا ہے۔ ع

ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بہ کجا

ان سب سے قطع نظر کیا آج یورپ میں نیوڈزم (Neudism.) یعنی بالکل برہنہ زندگی بسر کرنے کا نظریہ) کی تحریک انسانی شرم وحیا اور عفت کا درس دے رہی ہے۔ جنگ سے پہلے یورپ اور امریکہ کے بڑے بڑے شہروں میں اس قسم کے بے شمار ادارے قائم تھے۔ جہاں مرد وعورت ہر روز تفریح کے لئے جمع ہوتے تھے اور بالکل برہنہ ہو کر گھنٹوں وقت گذارتے تھے اور یہی نہیں بلکہ ایک بہت بڑے پیمانہ پر مستقلاً اس برہنگی کی تبلیغ کی جاتی تھی۔ اور اس نظریہ کی تائید میں بے شمار لٹریچر دنیا کے غیر متمدن علاقوں میں بھیجے جاتے تھے اور ہر جگہ ننگوں کی ایسی آبادیاں بسانے کی کوشش کی جاتی تھیں مسٹر ولیم اورنلے اور ان کی قوم کو مسلمانوں کی آنکھوں کے بال تو بہ آسانی نظر آگئے۔ لیکن اپنی آنکھوں کے شہتیر نظر نہیں آئے۔

آپ نے دیکھا کہ مذہبی طور پر تصویر کو جائز کر لینے کا انجام یہ ہوا کہ ایک طرف حضرت علیٰ اور ان کے حواریوں کی تصویر پُجنے لگی اور دوسری طرف آرٹ میں "فطرت پسندی" کے خبط (Mania) نے انھیں بے حیائی، عریانی اور بداخلاقی میں گرفتار کر دیا۔ لیکن آج اسلامی مصوری کا دامن اوپر بیان کی ہوئی چند حمامی تصاویر کے علاوہ اس قسم کی آلائشوں اور گندگیوں سے پاک ہے۔ کیا مستشرقین

یورپ۔ بہزاد اسکول۔ صفوی اسکول، شاہ عباس اور رضا اسکول یا ہندوستانی مغل اسکول ان تمام کی مصوری میں سے ایک تصویر بھی اطالوی اسکول جیسی فحش، برہنہ اور اخلاق سے گری ہوئی پیش کر سکتے ہیں۔ اور اگر آپ پوچھیں کہ ایسا کیوں ہوا تو میں پھر یہی عرض کروں گا کہ وہی مذہبی ممانعت راہ میں حائل تھی ورنہ خدانخواستہ اگر مذہب کی جانب سے اس باب میں ہلکی سی تائید بھی حاصل ہو جاتی تو آج یہ ذخیرہ بھی فحاشی اور عریانی سے لبریز نظر آتا۔

اس کے بعد مسٹر آرنلڈ نے فحش تصویروں کی تائید کے سلسلہ میں بعض حکما کے دلائل پیش کئے ہیں۔ اور اثبات مدعا کے لئے ، طنز آمیز پیرایے میں بعض اطبا کے تائیدی فقروں اور جملوں کو بھی نقل کیا ہے لکھتے ہیں "اگرچہ اس قسم کی تصاویر کی خدا پرست اور صاحب تقویٰ افراد نے سخت ترین مذمت کی ہے لیکن اطبا کے طبقے میں بہر حال اس کے موید ین پائے جاتے ہیں"۔

چودہویں صدی عیسوی کے اواخر میں ایک طبیب نے انسان کے مختلف ذرائع وسائل تفریح پر ایک کتاب لکھی ہے جس میں باغ۔ دعوتیں۔ احباب۔ مغنی۔ مچھلی۔ گوشت۔ مرغ۔ کتابیں۔ ادبیات۔ انشا پردازی وغیرہ وغیرہ کا تذکرہ کیا ہے۔ اس سلسلہ میں ایک معیاری حمام کا تصور پیش کرتے ہوئے جو انسان کے لئے موجب کیف و انبساط ہو سکتا ہے لکھتے ہیں" اس میں فنی اعتبار سے نہایت لطیف اور معیاری تصویریں ہونی چاہئیں۔ مثلاً عاشق و معشوق کے محبت آمیز مناظر۔ باغ و چمن، پھول و کیاریاں۔ خوبصورت و سرپٹ دوڑتے ہوئے گھوڑے اور جنگلی جانوروں کی تصاویر۔ کیونکہ ایسی تصویریں انسان کی جسمانی، روحانی اور حیوانی طاقت کو تقویت پہنچاتی ہیں۔

قاضی بدرالدین ابن مظفر اپنی کتاب مفرح النفس میں فرماتے ہیں" تمام اطبا اور حکما اس بات پر متفق ہیں کہ خوبصورت تصاویر کا نظارہ انسانی روح کو سرور اور تازگی بخشتا ہے اور پژمردہ اور افسردہ خیالات کو دور کرتا ہے اور خصوصاً قلب کو بے حد تقویت پہنچاتا ہے۔ کیونکہ سب سے

پہلے انسان کو دماغی اور فکری الجھن سے نجات بخشتا ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اگر خوبصورت اور لطیف چیزوں کا نظارہ میسر نہ ہو تو مصوری کے خوبصورت نمونوں۔ فن کارانہ کتابی تصویروں اور بڑے بڑے آراستہ و پیراستہ محلوں اور قلعوں کی تصاویر دیکھنی چاہیں۔"

محمد ابن زکریا رازی بھی اسی قسم کے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اگر کسی کو برے خیالات اور جانگداز تفکرات پریشان کرتے ہوں تو وہ تصویریں دیکھے کیونکہ جب پیلے، سرخ، زرد اور دوسرے لطیف رنگوں کی تناسب آمیزش سے کوئی شکل بنتی ہے تو اس میں انسانی قلب و دماغ کی افسردگی و پژمردگی کو دور کرنے کی تاثیر پیدا ہو جاتی ہے۔" پھر قدیم زمانے کے حکما کو دیکھو جنھوں نے حمام اور صحت گاہیں طیار کیں لیکن وہ اپنی فہم و فراست سے اس امر کی تہ تک پہنچ گئے کہ جب انسان حمام کے اندر داخل ہوتا ہے تو اس کی طاقت کا ایک معتدبہ حصہ زائل ہو جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں انھوں نے بڑے جتن کئے اور ایک نہایت کامیاب مداوا ڈھونڈ نکالا۔ انھوں نے فیصلہ کیا کہ حماموں کو خوبصورت تصویروں اور لطیف رنگوں سے آراستہ کرنا چاہئے اور اس قسم کی تصویروں کو باعتبار نوعیت تین حصوں میں تقسیم کیا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ انسانی جسم کے اندر تین بنیادی عناصر ہیں حیوانی، روحانی اور طبعی۔ پس ان کے خیال میں حماموں میں ایسی تصویریں ہونی چاہئیں جو ان تینوں میں سے ہر ایک طاقت کو تقویت بخشیں حیوانی طاقت کو تقویت پہنچانے کے لئے انھوں نے جنگوں، سرپٹ دوڑاتے ہوئے گھوڑوں اور جنگلی جانوروں کو پکڑنے کے مناظر تجویز کئے۔ روحانی طاقت کو تقویت بخشنے کے لئے عشق و محبت، عاشق و معشوق کی ملاقات، بوس و کنار اور خلوت و جلوت کے مناظر تجویز کئے اور طبعی طاقت کو تقویت پہنچانے کے لئے خوبصورت درخت، خوشنما پھول، سرسبز و شاداب چمن اور اسی قسم کے دوسرے قدرتی مناظر تجویز کئے۔"

مسٹر آرنلڈ نے اطبا اور حکماء کے حوالے جو اوپر پیش کیے ہیں۔ ان سے وہ شاید دو استدلال مرتب کرنا چاہتے ہیں۔ ایک یہ کہ دنیا کے بڑے بڑے حکماء نے مصوری کی اس کے افادی محاسن کے پیش نظر تائید کی ہے اور دوسرے یہ کہ اطبا نے بھی اس کی پرزور تصدیق کی ہے اور لکھا ہے کہ مختلف قسم کے تفکرات اور تردداَت کو دور کرنے کے لئے بے حد مفید ہے۔

اب آیئے ہم مسٹر آرنلڈ کے اس استدلال کا تجزیہ کریں۔ مسٹر آرنلڈ کی سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ انہوں نے اطبا اور حکماء کی رائے پیش کرتے وقت اس امر کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے کہ اسلام فن مصوری کا سرے سے ہرگز مخالف نہیں ہے بلکہ جیسا کہ ہم گذشتہ اشاعتوں میں عرض کر چکے ہیں صرف ذی روح کی شبیہ گری اور تصویر کشی سے روکتا ہے کیونکہ اس سے شرک اور بت پرستی پیدا ہوتی ہے۔ جہاں تک قدرتی مناظر مثلاً خوبصورت باغ، لہلہاتے ہوئے کھیت۔ بہتے ہوئے دریا، ابلتے ہوئے چشمے، تاروں بھری راتیں اور صانع حقیقی کی صناعی اور کاریگری کے اس قسم کے دوسرے نمونوں کی تصویر کشی کا تعلق ہے اسلام میں ممنوع نہیں۔ اور جہانتک ہمارا خیال ہے تمام اطبا اور حکما اس بات پر متفق ہیں کہ ان تمام چیزوں کی قدرتی شکل یا تصویر دیکھنے سے انسانی طبیعت پر ایک عجیب وغریب روحانی کیفیت طاری ہوتی ہے جس کا تعلق مادی یا جسمانی یا شہوانی دنیا سے قطعی نہیں ہوتا۔ قرآن کریم کی رو سے انسان کے لئے اپنے اوپر ایسی کیفیت پیدا کرنا ہماری نظر میں نہ صرف جائز بلکہ ضروری بھی ہے۔ کیونکہ خود صانع حقیقی اپنی کتاب میں پہاڑ، جنگل، صحرا، دریا، آسمان، زمین، سورج، چاند، ستارے، سیارے وغیرہ کے مشاہدے اور غور وخوض کی طرف بار بار ہماری توجہ دلاتا ہے۔

رہا محمد ابن ذکریا رازی کا وہ نظریہ کہ انسان کو حیوانی اور روحانی طاقت کو تقویت پہنچانے کے لئے جنگلی جانوروں اور عشق ومحبت کے مناظر دیکھنے چاہئیں تو یہ مسئلہ سخت نزاعی ہے اور اس کی

افادیت اور نظریاتی صحت پر بے حد اختلافات موجود ہیں۔ اطبا کے اس نظریہ سے قطع نظر جہاں وہ عضلات کی تحریک اور اعصاب کے سکون سے بحث کرتے ہیں۔ اگر ہم علما متقدمین پر ایک نظر ڈالیں تو ان میں سے بعض کو نہ صرف تصویر بلکہ سرے سے فنونِ لطیفہ کے خلاف پاتے ہیں۔ مشتے نمونہ از خروارے کے مصداق یہاں صرف افلاطون کا نظریہ پیش کیا جاتا ہے۔

حکیم موصوف فنون لطیفہ یعنی مصوری۔ موسیقی مجسمہ سازی، شاعری، فن تعمیر کی مذمت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ فنونِ لطیفہ جو کچھ پیش کرتے ہیں وہ سب عکسوں کا عکس ہے اور نمائشوں کی نمائش ہے۔ ان چیزوں اور معیاری مثالی اور ماورائے احساس کے حقایق کے مابین جو بعد اور خلیج ہے اس کی طرف توجہ دلاتے ہوئے لکھتا ہے کہ فنونِ لطیفہ سے تو فن زراعت، فن طب، فن پاپوش سازی وغیرہ افضل ہیں کیونکہ ان سے سنجیدہ اور مفید چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔ فنون لطیفہ سے خیالی اور غیر منفعت بخش چیزوں کا تعلق ہے اور میکانیکی (Machanic.) فن سے مفید اور کارآمد چیزوں[1] کا۔ جدید فلاسفہ اور مفکرین میں ہربرٹ اسپنسر (H Spencir.) کانٹ (Kant) شیلر (Schiller.) بھی اس مسئلہ میں اختلافی رائے رکھتے ہیں۔[2]

محمد بن زکریا رازی کے استدلال کا جواب ہم یہ دینا چاہتے ہیں کہ انسانی تفکرات کو دور کرنے کے لئے نہ صرف تصویر بلکہ مجسمہ و موسیقی زیادہ موثر ہیں۔ اور جہاں تک کہ انسانی کے سوہنے بات و حساسات کو ابھارنے اور برانگیختہ کرنے اور ذوقی کیف بہم پہنچانے کا تعلق ہے یہ ایک امر مسلمہ ہے کہ مجسمے تصویروں سے زیادہ موثر ہوتے ہیں۔ کیونکہ انسانی صورت وشکل سے زیادہ قریب ہوتے ہیں۔

چنانچہ آج بھی اس خطے کے لوگ اپنے گھروں میں حسین دلکش اور جرہاں دوشیزاؤں کے مجسمے رکھتے ہیں

---

[1] انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا ج ۱ص ۲۶۳ - [2] یہیں افلاطون کی رائے سے مکمل طور پر اتفاق نہیں لیکن قدیم حکما و جدید فلاسفہ کے باہمی اختلافات کے تحت اس کا تذکرہ موزوں سمجھا گیا ہے۔

اوران کو دیکھکر اپنے شہوانی جذبات میں تحریک اور گدگدی پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو [illegible] کے پیش کردہ خیال اور مسٹر آرنلڈ کی بالواسطہ تائید کے بموجب اسلام میں مصوری کے ساتھ مجسمہ سازی و بت گری بھی جائز ہونا چاہئے رہی مریض کے لئے اطبا کی تجویز تو اس سلسلہ میں ہم غیر مسلموں اور مستشرقین یورپ کی توجہ اس امر کی طرف دلانا چاہتے ہیں کہ اسلام کی تعلیمات میں دنیا کے بعض مذاہب کی طرح ایسی تنگی اور نامعقولیت نہیں ہے کہ بیماریوں کے پیش نظر بھی اطاعت اور خلاف ورزی کے مابین کوئی دوسری راہ نہ چھوڑی گئی ہو۔ اس کی مثال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی شدید مرض میں مبتلا ہو اور ہر قسم کے جائز علاج کے بعد بھی اگر اسے کوئی افاقہ حاصل نہ ہوا ہو تو اسلام اس کی اجازت دیتا ہے کہ جان بچانے کے لیے ممنوعہ اور حرام چیزیں بھی استعمال کرائی جا سکتی ہیں۔ لیکن اسلام ایک لمحہ کے لئے بھی اس کی اجازت نہیں دیتا کہ تفریحاً یا کسی ملکی ضرورت کو پورا کرنے کیلئے مذہب کے قائم کئے ہوئے حدود سے قدم باہر نکالے جائیں۔

مستشرقین یورپ کی یہ عادت ہے کہ وہ اس قسم کی پوچ اور مغالطہ آمیز دلیلیں پیش کرکے بعض پیچیدہ و الجھے ہوئے مسائل میں اہلِ اسلام کے دلوں میں شک و شبہ پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس کے لئے یہ خطرناک حربہ استعمال کیا جاتا ہے کہ آیات قرآنی میں جہاں کہیں بھی کسی کی تفسیر کی گنجائش ہے بس اس پر رنگ چڑھا کر اور اپنے مخصوص مقاصد کے پیش نظر غلط معنی پہنا کر کچھ اس طرح منطقی پیرایہ میں سامنے لاتے ہیں کہ سطحی نظر والے اصحاب بڑی آسانی سے گمراہ ہو جاتے ہیں اور احادیث کے سلسلہ میں جیسا ہے عموماً کہا جاتا ہے کہ اس کے مجموعہ کو نعوذ باللہ من ذالک جھوٹ کی پوٹ اور لوگوں کی دماغی اختراع کا ذخیرہ بتاتے ہیں۔ یہاں انھیں قرآن کریم سے بھی زیادہ فتنہ پھیلانے کا موقعہ حاصل ہے کیونکہ خود اہلِ اسلام میں کئی ایسے فرقے ہیں جن کے مابین مجموعہ احادیث پر گہرے اختلافات موجود ہیں لیکن مشکل یہ ہے کہ مستشرقین یورپ ان احادیث کے ماننے سے بھی انکار کرتے ہیں جن پر گہری تحقیق و تفحص کے بعد عامۃ المسلمین متفق ہو چکے ہیں۔ ان کی نظر میں احادیث جمع کرنے کا طریقہ ہی سرے سے غلط ہے کیونکہ وہ تواتر بیان اور ثقاہت راوی کے جھگڑے میں پڑنا ہی نہیں چاہتے۔ ان کی نگاہ میں کسی مورخ کا بیان چاہے وہ ہیروڈوٹس (Herodotus) جیسا قصہ گو کیوں نہ ہو مختلف

ثقہ راویوں کی ایک متفقہ روایت کے مقابلہ میں زیادہ مستند ہے۔ اس معاملہ میں ہم انھیں قابل عفو سمجھتے ہیں کیونکہ انھوں نے تدوین حدیث[۱] کے پورے سائنٹفک سسٹم (Saintific system) پر غور کرنے کی تکلیف گوارا نہیں کی جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ہر موضوع پر سطحی نگاہ ڈالنے کے بعد تنقیدی کتابیں لکھنے بیٹھ جاتے ہیں اور ہماری یہ انتہائی بدقسمتی ہے کہ آج تک ہم انھیں ان کی زبان میں مدلل طریقہ پر ان مسائل کی بحثوں کو پیش نہیں کر سکے ہیں لیکن ہاں بہمہ ہمیں تعجب ہوتا ہے کہ آخر یہی مغربی مصنفین جو اپنے ملک کے مختلف فلسفیانہ اقتصادی معاشرتی و اخلاقی موضوعات پر ایسی تصانیف پیش کرتے ہیں جو واقعی عقل اور منطق دونوں کے معیار پر پوری اترتی ہیں اور علمی نگاہ میں وقیع ہوتی ہیں مشرقی اقوام کے مسائل پر جب کبھی قلم اٹھاتے ہیں تو اتنی لغزشیں کیوں کرتے ہیں تھوڑے سے غور و خوض کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ابتک معدودے چند کے علاوہ تمام مستشرقین یورپ نے ہمارے مذہبی معاشرتی و تمدنی مسائل پر جتنی کتابیں لکھی ہیں وہ سطحی مطالعہ اور غیر محققانہ نظر کا نتیجہ ہیں اور دوسری قابل غور چیز جس کو مستشرقین یورپ اکثر نظر انداز کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ ایک قوم کی (خصوصاً مشرقی قوم کی) تہذیب و تمدن پر صحیح رائے زنی کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس کے مذہب اس کی معاشرت اس کی روایات اور اس کے کلچر کی تمام جزئیات کا بڑی گہری اور تحقیقی نگاہ سے مطالعہ کیا جائے اور اس سلسلہ میں متن یا ماخذ سے ضرور رجوع کیا جائے کیونکہ مشرقی اقوام کے تمام شعبہ ہائے حیات پر مذہب کا بڑا گہرا عکس پڑتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ان کے کلچر اور اس سے متعلق تمام چیزوں میں اسی کے احکام کارفرما نظر آتے ہیں۔ چنانچہ ڈاکٹر اے۔ جے۔ اربری (Dr. H. J. Arbarry) نے اپنی تصنیف مستشرقین برطانیہ (British Orie-ntalist) میں اس امر کا خصوصیت کے ساتھ اعتراف کیا ہے۔ مشرقیت کی تعریف بیان

---

[۱] تدوین حدیث کے سائنٹفک سسٹم پر حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی نے ایک نہایت مدلل پر از معلومات اور گرانقدر مقالہ سپرد قلم فرمایا ہے جو مستشرقین یورپ کے تمام اعتراضات کا مسکت جواب ہے۔ جو حضرات اس بحث کو تفصیل کے ساتھ دیکھنا چاہتے ہوں اس مقالے سے ضرور رجوع فرمائیں۔

کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں کہ مختلف علوم وفنون کی طرح مشرقیت کا تعلق بھی متجانس علوم کے علاوہ بہت سی مختلف اور متفرق علوم سے ہے کیونکہ اس غیر مقبوضہ سرزمین یا وہ سرزمین جسے شخص اپنی ملکیت سمجھتا ہے؛ یعنی مشرقیت پر ایک مستشرق کو جو مشرقیات کے موضوع پر قلم اٹھاتا ہے ایک مورخ فلسفی عالم دین ماہر آثار قدیمہ (Archaelogist) ماہر علم صرف، ماہر علم صوتیات (Phonetician) ماہر فن موسیقی اور آرٹسٹ ہر کسی سے واسطہ پڑتا ہے۔[1]

اب آپ ہمیں یہ بتلائیے کہ مستشرقین یورپ میں سے کتنے اصحاب اس معیار پر پورے اتریں گے یہی وجہ ہے کہ بیچارے عدم معلومات کی بنا پر ایسی فاش غلطیوں کے مرتکب ہوتے ہیں جو نہ صرف ایک مصنف کے معیار سے گری ہوئی ہیں بلکہ انتہا درجہ مضحکہ خیز بھی۔ یہ ان کی اسی کمزوری کا نتیجہ ہے جس کی بنا پر مسٹر مکالے (macaulay) نے لکھا ہے کہ مجھے مشرقی زبانوں کا کوئی ایسا طالب العلم نہیں ملا جو اس بات کا یقین دلا سکتا کہ مشرقی ادبیات کا سارا ذخیرہ یورپ کی یونانی اور لاطینی ادبیات کے ایک شلف (Shelf) کے برابر بھی ہے" یہ ایک ایسے شخص کے الفاظ ہیں جو نہ صرف انگریزی انشاپردازی میں ایک نمایاں درجہ رکھتا ہے بلکہ مورخین کی صف میں بھی ایک ممتاز شخصیت کا مالک ہے۔ مکالے صاحب کی رائے آپ کے سامنے ہے۔ اب ایک دوسرے مستشرق کی رائے بھی سنتے چلیے۔ مسٹر آرتھر ولاسٹن انوار سہیلی کے انگریزی ترجمہ کی تمہید میں سرولیم جونس (ایک مشہور مستشرق) کی رائے یوں نقل کرتے ہیں کہ انوار سہیلی تمام مشرقی اقوام کی عقل وفراست کا مجموعہ ہے۔ اب آپ کو خود اندازہ ہو گیا ہو گیا کہ ان مستشرق حضرات میں سے دونوں کی رائے صرف معلومات کی کمی اور چھان بین سے احتراز پر مبنی ہے۔

ہمارے مذہب اور کلچر سے متعلق ایسے بہت سے مسائل پر مستشرقین یورپ نے قلم اٹھایا ہے اور ارتیاب انگیزی اور فتنہ پردازی کے انہی اوچھے واروں کے ذریعہ ہمیں گمراہ کرنے کی کوشش کی ہے اگر ہم ذرا غور وخوض سے کام لیں اور اپنے دین کو صحیح طور پر سمجھنے کی کوشش کریں تو ہمیں یقین ہے کہ ان کی یہ تمام ریشہ دوانیاں سعی لاحاصل ثابت ہوں گی۔

---

[1] مستشرقین برطانیہ (British Orientalist) از (M. J. Arberry) ایم۔جے۔ اربری ص ۷ و ۸)

[2] انوار سہیلی (Lights of the Canopus.) از آرتھر این ولاسٹن ص ۹۔